قرآن مجید میں داعی و مدعو کا مکالمہ اور اس کی نوعیت

محمد جرجیس کریمی

نطق یعنی بات کرنا اور سمجھنا انسان کی امتیازی خصوصیت ہونے کے ساتھ دو افراد کے درمیان رابطے کا اولین ذریعہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ''بیان'' سکھایا ہے۔ (الرحمٰن ر۴) اور زبانی گفتگو کو تبلیغِ رسالت کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ تمام نبیوں اور رسولوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہونچانے کے لیے گفتگو ہی کو وسیلہ بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم میں اس کی زبان بولنے والے کو نبی اور رسول بنایا گیا ہے۔ (ابراہیم ر۴) تا کہ ترسیل وتبلیغ میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو اللہ کی دعوت پیش کی اور قرآن مجید میں ان کے بہت سے خطابات منقول ہیں۔ آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو قرآن مجید میں تین سو سے زائد بار ''قل'' (یعنی اے نبی ﷺ آپ اپنی قوم سے کہہ دیجیے) سے تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو (مکالمہ) کی خصوصی اہمیت ہے خاص طور سے اس تناظر میں کہ نبیوں نے داعیانہ حیثیت سے کیا لب ولہجہ اختیار کیا اور ان کی قوموں نے مدعو کی حیثیت سے کیا جواب دیا؟ نبیوں نے قوموں سے کیسی ہمدردی اور دل سوزی کا مظاہرہ کیا اور اس کے جواب میں قوموں نے ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا۔ انبیاء نے لوگوں کو خدا اور آخرت کے انجام سے خبردار کیا اس کے مقابلے میں قوموں نے ان کو اپنی بستی اور گاؤں سے باہر نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ انبیاء کرام نے لوگوں کو عقل وفراست سے کام لینے کی دعوت دی تو اس کے جواب میں انھوں نے ان کو مجنوں کے خطاب سے نوازا اور ان کا مذاق اڑایا۔ غرض کہ ایک طرف نبیوں کی دعوت حق ہے دوسری طرف مدعو کی ہٹ دھرمی اور انکار ہے۔ اس کے باوجود انبیاء نے ان سے گفتگو

کا سلسلہ بند نہیں کیا بلکہ آخری لمحے تک سمجھاتے بجھاتے رہے۔ قرآن مجید میں جن انبیاء کے مکالمے منقول ہیں ان میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ انبیاء کرام ؑ میں سرفہرست حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انھوں نے ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم کو راہ حق کی طرف بلایا۔ اس طویل مدت کے دوران کارِ دعوت کی انجام دہی میں انھوں نے ہر طریقہ اختیار کیا۔ دن و رات کبھی تنہائی میں لوگوں کو مخاطب کیا کبھی عام مجمع میں انھیں سمجھایا کبھی خفیہ طریقے سے بات کی اور کبھی اعلانیہ تذکیر کی، غرض کہ ہر طریقے سے انھوں نے اپنی قوم کو حق بات سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے مان کر نہ دیا قرآن میں اس کا بیان اس الفاظ میں ہے:

قَالَ رَبِّ إِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلاً وَنَهَاراً. فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَائِیْ إِلَّا فِرَاراً. وَإِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِیْ آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَاراً. ثُمَّ إِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَاراً. ثُمَّ إِنِّیْ أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَاراً. فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً.

(نوح/۵-۱۰)

اس نے عرض کیا ''اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارا مگر میری پکار نے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تا کہ تو انھیں معاف کردے انھوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لیے اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو ہانکے پکارے دعوت دی، پھر میں نے علانیہ بھی ان کی تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نوسو سالہ دعوتی جدوجہد کی روداد بیان کی گئی ہے اتنے طویل عرصہ تک اپنی قوم کو سمجھانے کے باوجود ان کی قوم کی طرف سے جو جواب مل رہا تھا وہ بھی قرآن میں مذکور ہے۔

فَقَالَ الْمَلأُ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ مِن قِوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَراً مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِيْنَ.(هود/۲۷)

جواب میں اس کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر کیا تھا بولے، ہماری نظر میں تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بس ایک انسان ہو ہم جیسے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل (پست لوگ) ہیں بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کر لی ہے اور کسی بھی چیز میں تم ہم سے بڑھے ہوئے نہیں ہو، بلکہ ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے مافوق البشر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا نہ اپنے ماننے والوں کی بالاتری کے وہ مدعی تھے انھوں نے محض اللہ تعالیٰ کا پیغام جوان پر نازل ہوا تھا ان تک پہونچانے کا فریضہ انجام دیا تھا۔ حضرت نوحؑ نے اس کے بعد مزید سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ فرض کرلو کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ایسی کوئی دلیل میرے پاس ہو جس کی صداقت سے تم انکار نہ کر سکو اور اس کے باوجود تم لوگ کفر کے رویہ پر قائم رہو تو اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے، مزید یہ کہ میں تم لوگوں سے ایمان لانے کا معاوضہ طلب نہیں کرتا، نہ میں غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، نہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ جو ایمان لائے گا اس کو مالا مال کردوں اور جو لوگ بدحال ہیں اللہ انھیں کوئی بھلائی عطا نہ کرے گا ایسا بھی میں نہیں کہتا۔ (ھود/۲۸-۳۱)

ان سب باتوں کے جواب میں ان کی قوم کے لوگوں نے کہا:

قَالُواْ يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ.(هود/۳۲)

آخر کار ان لوگوں نے کہا کہ اے نوح تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کرلیا اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر سچے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ عذاب کی جلدی نہ مچاؤ اللہ

چاہے تو وہ آ سکتا ہے۔ وہ عاجز اور بے بس نہیں ہے۔ اور میری نصیحت بھی تمھیں اسی وقت فائدہ دے سکتی ہے جب اللہ چاہے ورنہ اگر تمھارے کرتوتوں اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہی تمھیں گمراہ رکھنا چاہے اور عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ لہٰذا کٹھ حجتی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آوٴ۔ مگر حضرت نوحؑ کی قوم کے تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے اور ان کی اکثریت کفر پر قائم رہی۔ بالآخر حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی بنانا شروع کردی۔ یہ موقع بھی ان کی قوم کے لیے غور وفکر کا تھا مگر اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے الٹے وہ حضرت نوحؑ کا مذاق اڑانے لگی۔ بالآخر عذاب آ گیا اور پوری قوم غرقاب ہوگئی۔ (ھود/۳۳-۴۳)

قوم نوحؑ کے بعد عاد کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے۔ اس قوم کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اونچے اونچے محلات اور قصر تعمیر کرتی تھی اور بہت ساری یادگار عمارتیں بنا ڈالتی تھی نیز یہ قوم جبر وتشدد پسند تھی۔ ساتھ ہی کفر وشرک کی کھائیوں میں گری ہوئی تھی اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا انھوں نے اس کے سامنے ان الفاظ میں اپنی دعوت پیش کی۔ ارشاد ہے:

وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ إِنْ أَنتُمْ إِلاَّ مُفْتَرُونَ. يَا قَوْمِ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِنْ أَجْرِيَ إِلاَّ عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلاَ تَعْقِلُونَ. (ہود/۵۰-۵۱)

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا ”اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تم محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں۔ اے برادران قوم اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم عقل سے ذرا کام نہیں لیتے؟

حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کو مزید یقین دہانی کرائی کہ اگر تم توبہ کرو گے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں خوش حالی عطا کرے گا اور تمہارے قوت میں اضافہ کرے گا۔ (ہود/۵۲)

اس کے جواب میں ان کی قوم نے یہ کہا:

قَالُواْ يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْ آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ. (ہود/۵۳)

انھوں نے جواب دیا ''اے ہود تو ہمارے پاس کوئی صریح شہادت لے کر نہیں آیا ہے اور تیرے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور تجھ پر ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قوم عاد نے حضرت ہود کی نصیحتوں سے بیزاری کا اظہار کیا اور اپنی روش پر قائم رہی۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ہر طریقے سے سمجھایا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا بالآخر اس قوم پر بھی عذاب آیا گیا اور اسے ہلاک کر دیا گیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِيْ ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِيْنَ. (الشعراء/۱۳۹)

انھوں نے حضرت ہود کی بات نہ مانی تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔ اور اس میں بڑی نشانی ہے۔ ان میں اکثریت کفر کرنے والوں کی تھی۔

قومِ عاد کے بعد ثمود کا تذکرہ ملتا ہے اس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ پہاڑوں کے اندر چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر مکانات بناتی تھی مگر اس کے اندر فساد انگیزی کے عناصر موجود تھے سرکشی اور کفر اس کا شیوہ تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس کے سامنے دعوت حق اس طرح پیش کی۔

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُواْ إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ. (ہود/۶۱)

قوم ثمود کی طرف صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کی بندگی نہ کرو۔ اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں تمھیں آباد کیا ہے۔ اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس سے اپنی گناہوں کی معافی مانگو، بے شک میرا رب قریب ہے اور سننے والا ہے۔

حضرت صالح کی ان باتوں کے جواب میں قوم ثمود نے یہ جواب دیا:

قَالُواْ يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوّاً قَبْلَ هَـذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ.(ہود/٦٢)

انھوں نے کہا ''اے صالح، اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ تو جس طریقے کی ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اس کے سامنے اپنی امانت داری اور بے غرضی کا حوالہ دیتے ہوئے اللہ سے ڈرنے اور رسول کی اطاعت کا مطالبہ کیا۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ. فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ. وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ. (الشعراء/۱۴۳-۱۴۵)

میں تمہاری طرف سچا رسول ہوں۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں تم سے اس کا معاوضہ طلب نہیں کرتا میرا اجر سارے جہاں کے پالنہار کے ذمے ہے۔

مگر ان کی قوم نے اس کے جواب میں یہ کہا:

إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ. مَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ.(الشعراء/۱۵۳-۱۵۴)

آپ کو جادو کر دیا گیا ہے۔ آپ تو بس ہماری طرح کے ایک انسان ہیں۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں، تو کوئی نشانی لے آیئے۔

ظاہر ہے کہ اس قوم کا بھی وہی انجام ہوا جو اس سے پہلے قوم عاد و قوم نوح کا ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس کے لیے اونٹنی کی نشانی ظاہر کر دی اور رسول نے اسے نقصان پہنچانے سے باز رہنے کی تاکید کی تھی مگر ان کی قوم نے اس کی کونچیں کاٹ دیں جس کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق بن گئی۔ ارشاد ربانی ہے:

فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ. فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ.(الشعراء/۱۵۸)

انھوں نے اس کی رگ کاٹ ڈالی، تو وہ ندامت اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔ ان کو عذاب نے پکڑ لیا بے شک اس میں بڑی نشانی ہے ان میں اکثر لوگ ماننے والے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں ہیں۔ آپ کی پیدائش نہ صرف ایک بت پرست قوم بلکہ بت ساز قوم میں ہوئی تھی۔ بت پرستی اس کے رگ و ریشے میں سرایت تھی۔ ان حالات میں آپ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور مختلف پہلوؤں سے بت پرستی کے خلاف حجت اور دلیل قائم کی۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان ہونے والی گفتگو نقل ہوئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ. إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ.(الانبیاء/۵۱-۵۲)

اس سے پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی ہوش مندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے یاد کرو وہ موقع جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جن کی تم پرستش کر رہے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کا ان کی قوم نے یہ جواب دیا:

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ. (الانبیاء/۵۳)

انھوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ان کی قوم نے کہا کہ تو اپنی بات میں سنجیدہ ہے یا مذاق کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ میں پوری سنجیدگی سے تمہارے سامنے حق کی دعوت پیش کر رہا ہوں۔ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب ہے۔ اور اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک موقع پر اتمام حجت کے لیے قوم کی عدم موجودگی میں ان کے

بتوں کو توڑ ڈالا صرف بڑے بت کو علی حالہٖ چھوڑ دیا۔ جب ان کی قوم نے تحقیق حال کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ کام تو بڑے بت نے کیا ہے اس سے پوچھ لو۔ ظاہر ہے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ بت بات نہیں کر سکتے حضرت ابراہیمؑ نے قوم کو لاجواب پا کر انھیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئاً وَلَا يَضُرُّكُمْ. أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ.(الانبیاء/۶۶-۶۷)	اس نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمھیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان، تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے۔

ان کی قوم نے بجائے عقل سے کام لینے کے اس کے جواب میں ان کے لیے الاؤ تیار کیا اور اس میں ان کو ڈال دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ (الانبیاء/۶۸-۷۰)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت ابراہیمؑ کی گفتگو ان کے والد سے منقول ہے انھوں نے انتہائی ہمدردی، دل سوزی اور محبت کے ساتھ اپنے والد کو شرک کے انجام سے باخبر کیا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔ انھوں نے اپنے باپ سے خطاب کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بھی قابلِ تقلید ہے۔ اس کے جواب میں ان کے والد نے جو انداز اختیار کیا ہے اسے افسوس ناک ہی کہا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہے:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئاً. يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطاً سَوِيّاً. يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيّاً.	جب اس (ابراہیمؑ) نے اپنے باپ سے کہا ''ابا جان، آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں! ابا جان میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، آیا آپ میرے پیچھے چلیں،

يَـا أَبَـتِ إِنِّـي أَخَـافُ أَن يَـمَسَّـكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَن فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيّاً. قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيّاً. قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيّاً. (مریم/۴۲-۴۷)

میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھ بن کر رہیں۔ باپ نے کہا "ابراہیم، کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگ سار کردوں گا، بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔ ابراہیمؑ نے کہا سلام ہے آپ کو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کردے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا ایک مکالمہ بادشاہ وقت نمرود سے منقول ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار پر دلیل پیش کی کہ میرا رب مارتا اور جلاتا ہے اس پر بادشاہ نے جیل خانے سے دو قیدیوں کو بلوایا اور ایک قیدی کو رہا کردیا اور دوسرے قیدی کو قتل کرادیا اور کہا کہ دیکھو میں بھی مارتا اور جلاتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس سے بحث کرنے کے بجائے اس کے سامنے دوسری دلیل پیش کی کہ میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے کیا تیرے اختیار میں ہے کہ تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا اس سے نمرود لاجواب ہو گیا۔ ارشاد ہے:

أَلَـمْ تَـرَ إِلَـى الَّذِيْ حَآجَّ إِبْرَاهِيمَ فِيْ رِبِّـهِ أَنْ آتَـاهُ الـلّـهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْـرَاهِيـمُ رَبِّـيَ الَّذِيْ يُحْيِـيْ وَيُمِيْتُ قَـالَ أَنَـا أُحْيِـيْ وَأُمِيْتُ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ فَإِنَّ اللّهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا۔ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم کا رب کون ہے اور اس بناء پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے تو اس نے

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِیْ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ. (البقرہ/۲۵۸)

جواب دیا ”زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے“ ابراہیمؑ نے کہا اچھا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال دے۔ یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا۔ مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم، ان کا باپ اور بادشاہ وقت نے ان کی بات ماننے سے نہ صرف صاف صاف انکار کر دیا بلکہ ان کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنایا جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو وہاں سے ہجرت کا حکم مل گیا۔

معتوب قوموں میں ایک قوم لوط کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس نے کفر و شرک کے ساتھ جنسی بے راہ روی اختیار کر لی تھی، انسانی تاریخ میں جنسی انحرافات کا شکار سب سے پہلے یہی قوم ہوئی ہے۔ یہ قوم ہم جنسی میں مبتلا تھی اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انھوں نے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان الفاظ میں سنایا:

إِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِیْنٌ. فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوْنِ. وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِیَ إِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِیْنَ. وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ. (الشعراء/۱۶۲-۱۶۶)

میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو۔ بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو۔

بنیادی طور پر سارے انبیاء نے سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی ہے پھر اس قوم میں مروج برائیوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے

بھی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا اور رسالت کے اقرار کی ترغیب دی اور پھر اس برائی سے باز آنے کے لیے کہا جس میں وہ مبتلا ہوگئی تھی، مگر اس ۔۔نے ان کی باتوں کو سننے اور ماننے کے بجائے اُلٹے ان کو بستی سے نکال باہر کرنے کی دھمکی دی اور ان پر پاک بازی کے طعنے کسے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ. (الاعراف/۸۲)	مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سو کچھ نہ تھا۔ نکالو ان کو ان بستیوں سے یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں۔

بالآخر جب اس قوم نے بھی اپنی روش ترک نہیں کی تو اس پر اللہ کا اجتماعی عذاب آ گیا اور پوری قوم تہ و بالا کر دی گئی۔ (الاعراف/۸۴، ھود/۸۲-۸۳، الشعراء/۱۷۳)

حضرت شعیب علیہ السلام مدین اور ایکہ والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بھی کفر و شرک میں غرق تھے، ساتھ ہی ناپ تول میں کمی بیشی ان کا قومی شعار بن گیا تھا۔ حضرت شعیبؑ نے انھیں خدا پرستی اور ان کے ان اعمال کی اصلاح کی دعوت دی تو انھوں نے پہلے حضرت شعیبؑ کو بھی جادو زدہ قرار دیا ان کو اپنے جیسا انسان بتایا آخر میں ان پر جھوٹ کا الزام لگاتے ہوئے اور ان کی دعوت رد کرتے ہوئے عذاب لانے کا مطالبہ کیا۔ ان کے یہ حیلے بہانے قرآن نے نقل کیے ہیں:

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ. وَمَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ. فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ. (الشعراء/۱۸۵-۱۸۷)	انھوں نے کہا تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے اور تو کچھ نہیں ہے مگر ایک انسان ہم ہی جیسا، اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں، اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔

حضرت شعیبؑ نے انہیں بہت سمجھایا اور بتایا کہ مان لو میرے پاس کوئی دلیل یا معجزہ ہو تو تم لوگ اس کا انکار کیسے کرو گے اور پھر میں محض تمہاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا، بلکہ تمہاری حقیقی اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے خدشہ لاحق ہے کہ کہیں قوم نوح، قوم ہود، قوم

صالح اور قوم لوط کی طرح تم پر بھی عذاب نہ آجائے۔ (ہود/۸۸-۹۰)

ان باتوں کے جواب میں ان کی قوم نے کہا:

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيراً مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفاً وَلَوْلاَ رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ. (ہود/۹۱)

انھوں نے کہا تیری بہت سی باتیں تو ہمیں سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے۔ تیری برادری نہ ہوتی تو کبھی کا ہم تجھے سنگسار کر چکے ہوتے، تیرا بل بوتا تو اتنا نہیں ہے کہ ہم پر بھاری ہو۔

حضرت شعیبؑ نے انھیں ملامت کی، تمھیں برادری کا خوف تو ہے مگر اللہ کا خوف نہیں ہے:

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءكُمْ ظِهْرِيّاً إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ. (ہود/۹۲)

شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے اس کا تو خوف کیا اور اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔

بالآخر اپنی سرکشی اور نافرمانی کے نتیجے میں اس قوم کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ بھی کئی مقامات پر تفصیل سے مذکور ہے۔ فرعون اپنے وقت کا جابر و ظالم بادشاہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اس نے غلام بنالیا تھا، برسوں سے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے بچے کو مار ڈالنے کا حکم دے رکھا تھا، انھی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور مصلحت خداوندی کہ ان کی پرورش و پرداخت خود فرعون کے گھر میں ہوئی، جب وہ بڑے ہوگئے تو ایک اتفاقی حادثہ کی وجہ سے انھوں نے مدین کی طرف ہجرت کی اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس سال گذارے اس کے

بعد جب وہاں سے اپنی اہلیہ کے ساتھ واپس جارہے تھے تو راستے میں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور انھیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو توحید کی دعوت دو، ساتھ ہی اس سے اپنی قوم کو غلامی سے آزاد کرنے کا مطالبہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کو بھی نبوت عطا کی۔ دونوں فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا:

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ. أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ. قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْداً وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ. وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ. قَالَ فَعَلْتُهَا إِذاً وَأَنَا مِنَ الضَّالِّيْنَ. فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْماً وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ. وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ. (الشعراء/۱۶-۲۲)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم کو رب العالمین نے اس لیے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔ فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گذارے اور اس کے بعد تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا (انھوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا) تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا ''اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا، پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔ رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔

اس موقع پر رب العالمین کے بارے میں بھی فرعون اور حضرت موسیٰ کے درمیان مکالمہ ہوا۔

فرعون نے کہا رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا، آسمانوں اور زمین کا رب اور ان سب چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں۔ اگر تم یقین لانے والے ہو، فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا ''سنتے ہو؟ موسیٰ نے کہا

''تمہارا رب بھی اور تمھارے ان آباء و اجداد کا رب بھی جو گزر چکے ہیں۔ فرعون نے (حاضرین سے) کہا تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، بالکل یہ پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا ''مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب، اگر تم کچھ عقل سے کام لیتے'' فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود (خدا) مانا تو تجھے بھی ان لوگوں میں شامل کردوں گا جو قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ موسیٰ نے کہا اگر میں کوئی صریح نشانی لے آؤں تب بھی؟ فرعون نے کہا ''اچھا تو لے آؤ'' (ان کی زبان سے یہ بات نکلتے ہی) موسیٰ نے اپنے لاٹھی پھینکی اور یکا یک وہ ایک اژدہا بن گئی پھر انھوں نے اپنا ہاتھ (بغل سے) باہر نکالا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ فرعون اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے بولا یہ شخص ایک ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے اب تم لوگ بتاؤ کہ کیا حکم دیتے ہو؟۔ (الشعراء/۲۳-۳۵)

فرعون نے اپنے درباریوں سے مشورہ کے بعد سارے ملک سے جادوگروں کو ایک متعین دن و مقام میں جمع ہونے کا حکم دیا اور حضرت موسیٰ و ہارون کو ان سے مقابلہ کرنے کو کہا بالآخر جادوگروں پر حقیقت منکشف ہوگئی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور ان کو رسول تسلیم کرلیا۔ اس موقع سے فرعون نے موسیٰؑ پر سازش کا الزام لگایا۔ اور ایمان لانے والے جادوگر لوگوں کو سخت ترین سزا کی دھمکی دی۔ مگر انھوں نے اس کی پروانہیں کی۔ اللہ کے حکم سے فرعون اور اس کی قوم کے لیے کئی نشانیاں ظاہر ہوئیں جیسے قحط سالی مسلط کی گئی، اس کے علاوہ طوفان آیا۔ ٹڈی دل چھوڑے گئے، سرسریاں پھیلائی۔ مینڈک نکالے اور خون برسایا، یہ سب نشانیاں ایک کے بعد ایک رونما ہوئیں مگر وہ سرکشی کیے چلے گئے۔ ان کی مکمل ہلاکت سے پہلے طاعون کی وبا پھیلی کہ شاید وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں مگر اس سے بھی وہ نہ مانے بالآخر انھیں سمندر میں غرق کردیا گیا۔ (الاعراف/۱۱،۳۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ مکالمے ان کی اپنی قوم کے لوگوں سے ہیں جو

انھوں نے مختلف مواقع پر ان سے کیے ہیں اور اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی باتیں سمجھائی ہیں۔

قرآن مجید میں ایک مکالمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا منقول ہے جب ان کو ایک پرندے ہدہد کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ملکۂ سبا اپنی قوم کے ساتھ سورج پرستی کی برائی میں مبتلا ہے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو تحریر (خط) کے ذریعے مخاطب کیا اور سورج پرستی اور شرک سے توبہ کرنے کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں ملکۂ سبا نے ان کو کچھ تحفے تحائف بھجوائے، انھوں نے انھیں واپس کر دیا اور اللہ کی عطا کردہ قدرت کے کرشمہ سے ملکہ کا تخت اپنے یہاں اٹھوا لائے، اس کی پوری تفصیل قرآن کی سورۂ نمل میں موجود ہے۔ ارشاد ہے:

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ. إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ. (النمل/۲۹-۳۱)

ملکہ بولی ''اے اہل دربار، میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے وہ سلیمانؑ کی جانب سے ہے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔

ملکۂ نے درباریوں سے مشورہ کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تحفے تحائف ارسال کیے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا:

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ. ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ. (النمل/۳۶-۳۷)

جب وہ (ملکہ کا سفیر) سلیمان کے ہاں پہنچا تو اس نے کہا ''کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمھیں دیا ہے۔ تمہارا ہدیہ تمھیں کو مبارک رہے، اے سفیر واپس جا اپنے بھیجنے والوں کی طرف، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ وہ نہ کر سکیں گے اور ہم انھیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سبا کا تخت حیرت انگیز طریقے سے اپنے یہاں اٹھوالائے اور جب ملکہ ان کے یہاں حاضر ہوئی اور اپنا تخت وہاں دیکھا تو حیران ہوگئی کہ میرا تخت یہاں کیسے آگیا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بعض مزید نشانیاں دیکھیں تو حیرت زدہ ہوگئی اور بالآخر اسلام قبول کرلیا۔ (النمل/۳۹-۴۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزاتی طریقے سے بغیر باپ کے ہوئی تھی اور معجزاتی طور پر نوزائیدگی کی حالت میں آپ نے بنی اسرائیل کو خطاب کیا ہے۔ قرآن میں متعدد جگہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام (ماں بیٹے) کا بنی اسرائیل سے خطاب منقول ہے:

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئاً فَرِيّاً. يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيّاً. فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيّاً. قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيّاً. (مریم/۲۷-۳۰)

پھر وہ اس بچے (عیسیٰ) کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے اے مریم، یہ تو تونے بڑا پاپ کرڈالا، اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کردیا، لوگوں نے کہا ''اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟ بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزاتی طور پر نہ صرف تخلیق ہوئی تھی اور نوزائیدگی میں بات کرنے کی صلاحیت ملی تھی بلکہ اس کے علاوہ کئی اور معجزات ان کو ملے تھے جیسے مجسّمے کو پھونک مار کر پرندہ بناڈالنا، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردینا، مردے کو زندہ کرنا اور گھروں میں ذخیرہ شدہ چیزوں کی خبر دینا وغیرہ، ان معجزات کے حوالے سے انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کیا اور اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا مگر ان کی قوم نہیں مانی اور ان کو قتل کرڈالنے کی سازش کی۔ ارشاد ہے:

وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُواْ اللّهَ وَأَطِيعُونِ. إِنَّ اللّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ. فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللّهِ آمَنَّا بِاللّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ. (آل عمران/۵۰-۵۲)

میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی لہٰذا تم اس کی بندگی اختیار کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا، کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے، حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک مکالمہ حواریوں سے ہے جب انھوں نے آپ سے جنت سے دسترخوان اتروانے کی استدعا کی تھی اس موقع سے انھوں نے حواریوں کو تنبیہ کی اور اللہ کا خوف دلایا اور بتایا کہ اگر جنت سے دسترخوان اتر آیا اور اس کے بعد کسی نے کفر کیا تو اسے سخت سزا ملے گی۔ ارشاد ہے:

......قَالَ اتَّقُواْ اللّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ. قَالُواْ نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ. قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ.

(المائدہ/۱۱۲-۱۱۳)

عیسیٰ نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو، انھوں نے کہا بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا ہے وہ سچ ہے اور ہم اس پر گواہ ہوں، اس پر عیسیٰ نے اللہ سے دعا کی اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر دے۔

سابقہ رسولوں اور نبیوں کے مکالمات کے ساتھ آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے متعدد مکالمات قرآن میں مذکور ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا بنیادی مقصد اپنی قوم تک نبوت و رسالت کی تبلیغ و ترسیل ہے۔ چنانچہ جب آپ کو تبلیغ کا عام حکم دیا گیا اور آپ پر آیت "وانذر عشیرتک الاقربین" (الشعراء/۲۱۴) نازل ہوئی تو آپؐ نے صفا پہاڑ پر

چڑھ کر آواز لگائی اور مکہ کے لوگوں کو جمع کیا اور ان کو نام بہ نام مخاطب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا۔ یہ قوم کو عام خطاب کا پہلا واقعہ تھا پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے مسلسل ان کو خطاب کیا، کبھی حرم میں لوگوں کی موجودگی میں کبھی عکاظ کے بازار میں، کبھی طائف کی گلیوں میں کبھی موسم حج میں کبھی انفرادی طور پر تنہائی میں کبھی اجتماعی طور پر جمعیتوں میں کبھی لوگوں کے گھروں میں جا کر کبھی ان کو اپنے گھر میں بلا کر کبھی رشتہ داری کا حوالہ دے کر کبھی آخرت کے انجام سے خوف دلا کر۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش حالی کا وعدہ سنا کر کبھی سابقہ قوموں پر آنے والے عذاب کا حوالہ دیکر غرض کہ آپ ﷺ نے تبلیغ و ترسیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ مگر آپؐ کی قوم نے بھی وہی انداز اختیار کیا جو سابقہ قوموں نے کیا تھا اور ویسا ہی جواب دیا جیسے سابقہ قوموں نے اپنے نبیوں کو دیا تھا۔ آپ ﷺ کی قوم نے آپ کو کبھی مجنوں کہا، کبھی شاعر کہا، کبھی آپ کو اپنے جیسا انسان کہا، کبھی کلام اللہ کو من گھڑت قصے کہانیاں قرار دیا، کبھی یہ اشکال پیدا کیا کہ نبوت کے لیے مکہ اور طائف میں کوئی اور نہ ملا تھا۔ کبھی آپ ﷺ سے علم غیب کا مطالبہ کیا، کبھی خزانے لانے کو کہا کبھی دوسرا قرآن لانے کا مطالبہ کیا۔ غرض اسی طرح کے وہ بہت سے اعتراضات کیے جو سابقہ قومیں اپنے نبیوں سے کرتی رہتی تھیں۔ قرآن کہتا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْماً وَزُوراً. وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلاً. قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً. (الفرقان/۴-۶)

جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے اپنے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کبھی دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں، کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنھیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہے۔ اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا اس نے جو زمین اور آسمان کا بھید جانتا ہے، بے شک وہ بڑا غفور اور رحیم ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ. أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا......(الزخرف/۳۱)

انھوں (مکہ والوں) نے کہا یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟ کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذریعے تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں......۔

ایک جگہ اور ارشاد ہے:

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِيْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ إِنِّيْ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ.(یونس/۱۵)

جب انھیں ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں، تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کردو اے نبیؐ ان سے کہو میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں، میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

حضرت محمد ﷺ صرف عربوں کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، بلکہ آپ عرب و عجم تمام لوگوں کے لیے رسول تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ اور دوسری اقوام کو بھی خطاب کیا ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر آپ ﷺ کے خطابات منقول ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

(آل عمران/۶۴)

اے نبی ﷺ کہو اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے۔

خطاب کا ایک ذریعہ تحریری شکل میں مخاطب تک پیغام رسانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد بادشاہوں کو جو خطوط ارسال فرمائے وہ اس کی مثال اور نمونہ ہیں جن میں آپ ﷺ نے ان کو اچھے اسلوب میں مخاطب کیا اور اسلام کی دعوت دی۔

خلاصۂ بحث

گذشتہ تمام انبیاء نے اپنی قوموں تک دعوتِ اسلامی کی تبلیغ کی غرض سے مکالمات کیے، ان کے مکالمات قرآن میں منقول ہیں۔ ان کے مطالعہ سے درج ذیل اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱- گفتگو تبلیغ و ترسل کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

۲- مخاطَب صرف گفتگو نہیں سنتا بلکہ مخاطِب کے اخلاق و کردار کو بھی دیکھتا ہے اسی لیے انبیاء نے اپنے کو رسول امین کہا ہے۔

۳- انبیاء نے دین کے بنیادی عقائد پیش کرنے کے ساتھ قوموں میں رائج برائیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۴- قوموں کے مسلسل انکار و ہٹ دھرمی کے باوجود انبیاء نے بدکلامی اور جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔

۵- انبیاء نے گفتگو کے لیے بہتر سے بہتر پیرایہ اختیار کیا ہے۔

۶- دعوت دین میں انبیاء ہمیشہ بے غرض رہے ہیں انھوں نے کبھی اجرت اور منصب کی طلب نہیں کی ہے۔

۷- انبیاء نے ہمیشہ قوموں کی خیر خواہی کی ہے اور انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے کی پوری کوشش کی ہے۔ ان کے مسلسل انکار اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بالآخر سنۃ اللہ کے تحت قوموں پر عذاب آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان قوموں پر عذاب آنے کے ذمہ داران کی طرف بھیجے جانے والے رسول تھے۔

۸- دعوت دین مخاطب تک صرف ایک بار پہنچا دینے سے دعوت کا حق ادا نہیں ہوتا ہے بلکہ مسلسل خطاب کی ضرورت ہے۔ انبیاء نے سالہا سال تبلیغ کی ہے۔